علامہ اقبال کے اندازِ فکر پر ویدانت کا اثر

——— از قلم: ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ ———

حیدر آباد (دکن) کے حالیہ سفر کے دوران روزنامہ "سیاست" میں یہ مضمون نظر سے گذرا۔ جسے بغیر کسی تائید یا تردید کے قارئین کی دلچسپی کے لئے شائع کیا جارہا ہے ——— اس وضاحت کے ساتھ کہ اس کے بعض حوالوں کی توثیق نہیں کی جاسکی، مثلاً ؎ "روشن مرے سینے میں محبّت کا شرر ہو!" یہ دو اشعار کلیاتِ اقبال میں موجود نہیں ہیں۔ اگرچہ یہ عین ممکن ہے کہ یہ اشعار ہوں تو علامہ مرحوم ہی کے لیکن کلام کی تدوین کے وقت شامل نہ کئے گئے ہوں۔ (دوسرے شعر کے مصرعہ اوّل میں کوئی لفظی غلطی بھی معلوم ہوتی ہے) اسی طرح "مثنوی اسرارِ خودی" کا مقدمہ بھی اب شاملِ کتاب نہیں ہوتا، لہٰذا فوری طور پر اس کے اقتباس کی بھی توثیق ممکن نہ ہوسکی۔ یہی معاملہ عبدالکریم جیلی والے مضمون کے اقتباس کا بھی ہے، اور علامہ کے اس "مبیّنہ" قول کا بھی کہ:

"بت کے سامنے جاگتا ہوا کافر حرم میں سوتے ہوئے مومن سے بہتر ہے!" ———

حوالوں کی یہی تشنگی کپل رشی اور سلاسلِ صوفیہ سے متعلق حوالوں کے ضمن میں بھی ہے۔

——— بایں ہمہ تحریر دلچسپ بھی ہے اور فکرِ اقبال پر ایک بالکل نئے زاویہ سے روشنی ڈالنے والی بھی ——— اقبالیات سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس پر اظہارِ رائے فرمائیں تو مفید ہوگا۔

نوٹ: تحریر میں دکن کے اردو محاورے کو جو شمالی ہند میں نامانوس ہے ذرا تبدیل کر دیا گیا ہے لیکن نفسِ مضمون میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ——— اسرار احمد

ویدانت یعنی ویدوں کی تعلیمات کا وہ حصہ جو روحانیت کے اساسی اقدارِ فکری پر مبنی ہے وہ روحانیت کا سرچشمہ یا منبع مانا گیا ہے۔ دراصل ہندو دھرم کی بنیاد ویدانت کے عارفانہ اندازِ فکر ہی پر قائم ہے۔ دوسرے الفاظ میں ویدانت کو ہندو فلسفۂ روحانیت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ویدانت کے اساسی اقدارِ فکری پر بھارت کے ممتاز مفکر اور مذہبی رہنماؤں یعنی رشیوں نے تفسیر لکھی۔ ان تفسیروں کو اپنشد کہا جاتا ہے۔ دراصل اپنشد کا فلسفہ ویدانت کا لُبِّ لباب ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ فرد کا اپنے پروردگار اور کائنات سے کیا رشتہ ہے۔ اور اس کی زندگی کا کیا مقصد ہے۔ ویدانت کے ذریعے اساسی اقدار، فلسفۂ حیات، روحانیت اور رومانیت کے ساتھ ساتھ فلسفہ مابعد الطبیعیات (METAPHYSICS) کے متعلق بھی بہت تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ نظریۂ وحدت الوجود کو ویدانتی ادویت[1] واد کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بہت ہی مبنی بر ذہانت اور مکمل فلسفہ ہے۔ اس لئے پچھلے ہزاروں سال (تقریباً تین ہزار سالوں) سے نوعِ انسانی کی اعلیٰ ترین اور بہترین شخصیات اور مختلف قوموں اور نسلوں کے مفکرین، مذہبی رہنما، مہاتما، صوفی، سائنسدان، شاعر اور ادیب اس ویدانتی فکر و نظر سے مستفید اور متاثر ہوتے رہے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ عہدِ حاضر کے ماہرینِ ریاضی اور طبیعیات تو بشمول آئن سٹائن ویدانت ہی کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ گرو دیو رابندر ناتھ ٹیگور نے ویدانت کے جام پر جام پیئے اور مست

---

[1] سنسکرت زبان میں کسی صفت کی متقابل کیفیت کی تعبیر کے لئے اس کے شروع میں الف لگا دیا جاتا ہے جیسے مر سے اَمر، ٹل سے اٹل۔ اسی طرح " دویت " کے معنی ہیں دوئی یا ثنویت اور "ادویت" کے معنی ہیں دوئی کا فقدان یعنی وحدتِ مطلق ___ اور چونکہ "حلول" اور "اتحاد" کے لئے بھی ابتداءً دو اشیاء کا وجود ضروری ہے جو بعد ازاں ظاہری وحدت کی صورت اختیار کریں، لہٰذا مسلمانوں میں جو مفکرین وحدت الوجود کے قائل ہیں وہ ان دونوں نظریوں کو اسی دلیل سے رد کرتے ہیں کہ ؎

حلول و اتحاد ایں جا محال است   کہ در وحدت دوئی عینِ ضلال است

اسرار احمد

جھومتے ہوئے دنیا کے ہر فرد کے لئے ہی نہیں بلکہ کائنات کے ہر ذرّہ کے لئے ایسا پیامِ محبت دے گئے جو شانتی اور رنگا رنگ خوبصورتی سے بھرپور ہے اور جس میں گلہ شکوہ کی بُو تک نہیں ہے۔

علاّمہ اقبال جو غیر منقسم بھارت کے ایک ممتاز فلسفی تھے اس کلاسیکی ادب سے متأثر تھے۔ انہوں نے سنسکرت کی تعلیم سوامی رام تیرتھ سے حاصل کی جو لاہور کالج میں ریاضی کے پروفیسر تھے۔ سوامی جی نے ہی اقبال کو سنسکرت ادب اور ویدانت کے فلسفہ سے روشناس کروایا تھا۔ علاّمہ اقبال جب اعلیٰ تعلیم کے لئے جرمنی گئے تو وہاں MAXMUL-LER کے تبصروں سے مستفید ہوئے۔ MAXMULLER نے جو کچھ ویدانت کے تعلق سے لکھا ہے بہت خوب اور غیر معمولی ہے۔ MAXMULLER کے علاوہ جرمنی میں بہت سے دانشور اور فلسفی ہوئے ہیں جنہوں نے فلسفۂ ویدانت پر بہت ریسرچ کی اور کئی مقالے شائع کئے۔ اقبال نے چونکہ اپنی ریسرچ شعبہ فلسفہ میں کی تھی اس لیے وہ ان تحقیقات سے روشناس تھے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ علامہ جدلیاتی فلسفہ سے متأثر نہ تھے (میرا مطلب کمیونسٹ نظریات سے ہے)۔ یہ بھی بہت حد تک صحیح ہے کہ کارل مارکس اور ان کے پیرو کمیونسٹ بشمول بھارتی کمیونسٹ ویدانت کے فلسفہ سے متأثر اور متحرک نہ ہو سکے کیونکہ ان کی وسعتِ نظر پیداوار، زر، تقسیمِ زر اور مزدوروں اور سرمایہ داروں کی کشمکش کی حدود سے آگے نہیں جاتی۔ کمیونسٹ دنیا میں ہر چیز کے دام جانتے ہیں لیکن روحانیت کا بھاؤ وہ نہیں جانتے۔ فلسفۂ ویدانت کا پہلا سبق ہے پریم اور ہم آہنگی ہر فرد اور دوسرے فرد کے درمیان۔ اور دوسرا اہم پہلو ہے کہ ہر فردِ کائنات کے (بشمول اس فانی دنیا کے) ہر ذرّہ میں سچائی، تقدس اور پریم ہے اور ہر انسان کو چاہیئے کہ اپنے افعال یعنی کرم، اپنی تعلیم یعنی ویدیک اور عقیدت اور عبادت یعنی بھگتی کی راہ پر چلتے ہوئے اپنے عظیم مرتبہ پر قائم رہے۔ جیسے سنسکرت میں کہتے ہیں " امرت تیسیہ پتر " یعنی بنی نوعِ انسان مقدس اولاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اردو میں ترجمہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ انگریزی میں موزوں ترجمہ ہوتا ہے "CHILDREN OF BLISS" گویا ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنی اس حیثیت کو قائم رکھے۔ اگر

فرد لالچ، جھوٹ، مکر و فریب کے چکّر میں آجائے تو وہ کائنات کے پُرسکون اور مقدس ماحول میں انتشار پیدا کر کے اپنے مقام سے گر جاتا ہے۔ یاد رہے کہ " امرت تیسیہ پتر " ہونے کا پیدائشی حق ہر فرد کو بلا لحاظ تعلیم، دولت، سیاسی یا حکمرانی رتبہ، جنس اور رنگ و نسل کے حاصل ہے۔ اس فلسفہ ویدانت کو اقبال نے کچھ اس طرح پیش کیا ہے ؎

روشن مِرے سینے میں محبّت کا شرر ہو
دل خوف سے آزاد ہو بیباک نظر ہو
پہلو میں مِرے دل ہو آشامِ محبّت
ہر شئے ہو مِرے واسطے پیغامِ محبّت

فلسفۂ ویدانت پر تبصرہ مختلف رشیوں اور مہاتماؤں نے اُپنشدوں کے ذریعے کیا ہے۔ اور ان کے چند خاص پہلو حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ انسان روحِ لافانی ہے اور یہ اس ذاتِ کریمی BRAHMNAN یعنی 'الحق' کا ایک ذرّہ ہے۔ روح یا آتما کو نہ کوئی مار سکتا ہے، نہ جلا سکتا ہے، نہ کاٹ سکتا ہے۔ یہ کبھی بھی نہ مرتی ہے نہ فنا ہو سکتی ہے۔ اس اندازِ فکر کو اقبال نے کچھ اس طرح پیش کیا ہے ؎

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے !
خواب کے پردے میں بیداری کا اِک پیغام ہے

انسان کو لازم ہے کہ وہ اپنے افعال (کرم) اور عقیدت و عبادت (بھگتی) کے ذریعے نجات (مکتی) پا کر اس لافانی میں شامل ہو کر فنا ہو جائے جسے "الحق" کہتے ہیں ؎

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

۲۔ ویدانت کا دوسرا اہم جزو یہ ہے کہ 'آتما' فانی جسم میں مقیّد ہے اور ہر انسان کو آزادی حاصل ہے کہ وہ اس فانی دنیا میں ایک پاک اور نیک نفس فرد کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے کر مکتی پائے، یا پھر کوتاہی اور ناپاکی کا شکار ہو جائے اور بار بار جنم لیتا رہے۔ 'بالِ جبریل' اور 'زبورِ عجم' کے بنیادی زاویۂ فکر پر اُپنشدوں کی تعلیم کا

جھومتے ہوئے دنیا کے ہر فرد کے لئے ہی نہیں بلکہ کائنات کے ہر ذرّہ کے لئے ایسا پیامِ محبت دے گئے جو شانتی اور رنگا رنگ خوبصورتی سے بھرپور ہے اور جس میں گلہ شکوہ کی بُو تک نہیں ہے۔

علامہ اقبال جو غیر منقسم بھارت کے ایک ممتاز فلسفی تھے اس کلاسیکی ادب سے متاثر تھے۔ انہوں نے سنسکرت کی تعلیم سوامی رام تیرتھ سے حاصل کی جو لاہور کالج میں ریاضی کے پروفیسر تھے۔ سوامی جی نے ہی اقبال کو سنسکرت ادب اور ویدانت کے فلسفہ سے روشناس کروایا تھا۔ علامہ اقبال جب اعلیٰ تعلیم کے لئے جرمنی گئے تو وہاں MAXMULLER کے تبصروں سے مستفید ہوئے۔ MAXMULLER نے جو کچھ ویدانت کے تعلق سے لکھا ہے بہت خوب اور غیر معمولی ہے۔ MAXMULLER کے علاوہ جرمنی میں بہت سے دانشور اور فلسفی ہوئے ہیں جنہوں نے فلسفۂ ویدانت پر بہت ریسرچ کی اور کئی مقالے شائع کئے۔ اقبال نے چونکہ اپنی ریسرچ شعبہ فلسفہ میں کی تھی اس لیے وہ ان تحقیقات سے روشناس تھے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ علامہ جدلیاتی فلسفہ سے متاثر نہ تھے (میرا مطلب کمیونسٹ نظریات سے ہے)۔ یہ بھی بہت حد تک صحیح ہے کہ کارل مارکس اور ان کے پیرو کمیونسٹ بشمول بھارتی کمیونسٹ ویدانت کے فلسفہ سے متاثر اور متحرک نہ ہو سکے کیونکہ ان کی وسعتِ نظر پیداوار، زر، تقسیم زر اور مزدوروں اور سرمایہ داروں کی کشمکش کی حدود سے آگے نہیں جاتی۔ کمیونسٹ دنیا میں ہر چیز کے دام جانتے ہیں لیکن روحانیت کا بھاؤ وہ نہیں جانتے۔ فلسفۂ ویدانت کا پہلا سبق ہے پریم اور ہم آہنگی ہر فرد اور دوسرے فرد کے درمیان۔ اور دوسرا اہم پہلو ہے کہ ہر فردِ کائنات کے (بشمول اس فانی دنیا کے) ہر ذرّہ میں سچائی تقدس اور پریم ہے اور ہر انسان کو چاہئے کہ اپنے افعال یعنی کرم، اپنی تعلیم یعنی ودیک اور عقیدت اور عبادت یعنی بھگتی کی راہ پر چلتے ہوئے اپنے عظیم مرتبہ پر قائم رہے۔ جیسے سنسکرت میں کہتے ہیں " امرت تیسیہ پتر " یعنی بنی نوع انسان مقدس اولاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اردو میں ترجمہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ انگریزی میں موزوں ترجمہ ہوتا ہے "CHILDREN OF BLISS" گویا ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنی اس حیثیت کو قائم رکھے۔ اگر

فرد لالچ، جھوٹ، مکروفریب کے چکر میں آجائے تو وہ کائنات کے پُرسکون اور مقدس ماحول میں انتشار پیدا کرکے اپنے مقام سے گر جاتا ہے۔ یاد رہے کہ "امرت تیسیہ پتر" ہونے کا پیدائشی حق ہر فرد کو بلا لحاظ تعلیم، دولت، سیاسی یا حکمرانی رتبہ، جنس اور رنگ و نسل کے حاصل ہے۔ اس فلسفہ ویدانت کو اقبال نے کچھ اس طرح پیش کیا ہے ؎

روشن مرے سینے میں محبت کا شرر ہو
دل خوف سے آزاد ہو بیباک نظر ہو
پہلو میں مرے دل ہو آشام محبت
ہر شئے ہو مرے واسطے پیغام محبت

فلسفۂ ویدانت پر تبصرہ مختلف رشیوں اور مہاتماؤں نے اُپنشدوں کے ذریعے کیا ہے۔ اور ان کے چند خاص پہلو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ انسان روحِ لافانی ہے اور یہ اس ذاتِ کریمی BRAHMNAN یعنی "الحق" کا ایک ذرّہ ہے۔ روح یا آتما کو نہ کوئی مار سکتا ہے، نہ جلا سکتا ہے، نہ کاٹ سکتا ہے۔ یہ کبھی بھی نہ مرتی ہے نہ فنا ہوسکتی ہے۔ اس اندازِ فکر کو اقبال نے کچھ اس طرح پیش کیا ہے ؎

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے ــ!
خواب کے پردے میں بیداری کا اِک پیغام ہے

انسان کو لازم ہے کہ وہ اپنے افعال (کرم) اور عقیدت و عبادت (بھگتی) کے ذریعے نجات (مکتی) پاکر اس لافانی میں شامل ہوکر فنا ہو جائے جسے "الحق" کہتے ہیں ؎

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

۲۔ ویدانت کا دوسرا اہم جزو یہ ہے کہ 'آتما' فانی جسم میں مقیّد ہے اور ہر انسان کو آزادی حاصل ہے کہ وہ اس فانی دنیا میں ایک پاک اور نیک نفس فرد کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے کر مکتی پائے، یا پھر کوتاہی اور ناپاکی کا شکار ہو جائے اور بار بار جنم لیتا رہے۔ 'بالِ جبریل' اور 'زبورِ عجم' کے بنیادی زاویۂ فکر پر اُپنشدوں کی تعلیم کا

اثر ہے۔ آتما (خودی) کے ارتقاء کے تعلق سے یہ شعر ملاحظہ ہو ؎

خودی کیا ہے ؟ رازِ درونِ حیات!
خودی کیا ہے ؟ بیداریٔ کائنات!

علّامہ اقبال نے نہ صرف اپنے اشعار میں بلکہ اپنی نثر میں بھی ہندو فلسفے کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اپنی مثنوی 'اسرارِ خودی' کے پیش لفظ میں اقبال گیتا کی تعلیمات کے اصل محرک پر کچھ اس طرح رقم طراز ہیں:

"شری کرشن جی کا نام ہمیشہ عزت و محبّت کے ساتھ لیا جائے گا۔ کیونکہ ان کی عظیم تعلیمات نے بہت دل نشیں پیرائے میں اپنے ملک و قوم کی فلسفیانہ روایت پر تنقید کی ہے اور یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ ترکِ عمل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم عمل کرنا ہی چھوڑ دیں، کیونکہ عمل وہ شے ہے جس کا فطرتِ انسانی تقاضا کرتی ہے اور یہ زندگی میں نئی روح پیدا کرتا ہے۔ دراصل ترکِ عمل کا مطلب یہ ہے کہ ہم خود کو عمل کے نتائج سے بے تعلق کرلیں اور عمل پیرا رہیں۔"

گیتا سے متأثر ہو کر لکھا گیا ملاحظہ ہو ان کا یہ شعر ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

علّامہ اقبال کے فلسفۂ خودی کے تعلق سے بھارت اور پاکستان میں بہت سے نقّاد، تحقیق نگار، شاعر اور ادیب ریسرچ میں مصروف ہیں۔ ذیل کے اشعار جن کا تعلق بھگوت گیتا کی تعلیم اور فلسفہ سے ہے خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ یہ گیتا کے عالمی پیام کو عام انسان تک خاص طور سے اردو داں حضرات کے لئے بہت متأثر کرنے والے ہیں ؎

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِّ آدم ہے ضمیرِ کُن فکاں ہے زندگی

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گذر، بادہ و جام سے گذر!

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی، آشیاں اور بھی ہیں

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

علامہ اقبال کے آباء و اجداد کشمیری پنڈت تھے اور انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ علامہ اقبال کو اپنے برہمن نژاد ہونے پر فخر تھا۔ ان کا یہ فارسی شعر اس کی ترجمانی کرتا ہے ؎

مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمے بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

گیتا اور ویدانت کی تعلیمات کی روشنی میں انسان کی زندگی کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہر شخص سچائی کو اپنے عمل یعنی کرم، گیان یعنی علم ـــــ وہ علم جو سچ اور جھوٹ کی شناخت اور ان کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے ـــــ اور بھگتی یعنی عقیدت و عبادت پر عمل پیرا ہو کر اس پرمیشور سے جو نراکار ہے (یعنی جس کی کوئی شکل نہیں جانتا)، نرگن ہے (یعنی جو صفات سے اعلیٰ تر ہے) جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، جو وقت اور جگہ دونوں ہی سے برتر ہے) سے جا ملے۔ یعنی موکش اور مکتی پائے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ویدانت اور اُپنشدوں کے ساتھ بھگوت گیتا کے متعدد اشلوکوں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایشور یعنی خدا کو نراکار (جس کی کوئی شکل نہیں) بتلایا گیا ہے۔

یہ کہنا کہ خدا کے نرا کار ہونے کا اعلان کچھ جدید مذاہب ہی میں پایا جاتا ہے، صحیح نہیں ہے۔ رہا سوال یہ کہ جب نرا کار کہا گیا تو پھر مورتی پُوجا کیسی؟ تو یہ ایک الگ بحث ہے۔ اس بحث کا اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں لیکن بُت پرستوں کے تعلق سے اقبال کہتے ہیں: "بُت کے سامنے جاگتا ہوا کافر حرم میں سوئے ہوئے مومن سے بہتر ہے۔" علامہ اقبال کے ایک مضمون کا عنوان تھا:

" عبدالکریم الجیلی کا نظریۂ توحید مطلق"۔ اس مضمون کا حصہ ماخوذ:

"ہم گہرے فلسفیانہ شعور میں ہندو مت کی برتری کو تسلیم کرتے ہیں۔ ظہور اسلام کے بعد عربوں کی تاریخ شاندار فتوحات کا ایک سلسلہ ہے۔ اس نے انہیں ایک ایسا طرزِ زندگی اختیار کرنے پر مجبور کیا جس میں فلسفہ و علوم کے عظیم میدانوں میں نسبتاً بہت ہی کم فرصت تھی۔ اس لیے وہ کپل رشی (ایک بہت ہی عالم ہندو مہاتما جو سانکھیہ درشن یعنی فلسفہ کے بانی تھے) اور شنکر اچاریہ (جو ادویت واد یعنی وحدت الوجود میں ایقان رکھتے تھے) جیسی شخصیتیں نہ پیدا کر سکے اور نہ پیدا کر سکتے تھے۔"

کپل کے فلسفہ کے بارے میں علامہ نے لکھا:

"جب خدا کسی شخص پر اپنے اسماء کی تجلی فرماتا ہے تو وہ شخص تجلیٔ اسماء کے جلالی انوار سے فنا ہو جاتا ہے۔ اس فنا کو جسمانی موت سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ فرد تو زندہ رہتا ہے اور چرخے کی طرح حرکت کرتا ہے، جیسا کپل نے پراکرتی سے اتحاد حاصل کرنے کے بعد کہا تھا کہ اس مقام پر پہنچ کر ایک فرد مؤحد صدا لگاتا ہے 'مَن تو شُدم تو مَن شُدی' یعنی اب ہمیں کوئی جدا نہیں کر سکتا۔"

تصوّف کے بارے میں اقبال نے کہا تھا:

"سلاسلِ صوفیاء (مثلاً نقشبندیہ) نے ہندو ویدانتوں سے مشاہدۂ غیب کا مقام حاصل کرنے کے طریقے مستعار لیے ہیں۔ انہوں نے ہندوؤں کے نظریۂ کنڈالنی کی نقل کرنا سیکھا یعنی جسمِ انسانی میں مختلف رنگوں

کی روشنی کے چھ بڑے مرکز ہیں۔ ایک صوفی کا کام یہ ہے کہ مراقبہ کے کچھ طریقوں سے اُنہیں حرکت میں لائے تاکہ اُسے مشاہدۂ غیب کا مقام حاصل ہو؛

اسی طرح صوفیاء کے نظریۂ فنا کو بھی اقبال بدھوں کے فلسفۂ نروان (جو ویدانت کے لحاظ سے موکش یا مکتی ہے) ہی سے مستعار قرار دیتے ہیں۔

یہ یاد رہے کہ گیارہویں صدی عیسوی میں البیرونی نے جس نے بھارت میں کئی سال حصول تعلیم اور ریسرچ کے لئے صَرف کئے تھے، پتانجلی (جو ایک مشہور فلسفی گزرے ہیں) کی تالیف "پتانجلی سوتر" کا سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیا۔ اس ترجمہ نے بھی صوفیاء کرام کو ہندو فلسفۂ روحانیت سے نہ صرف واقف کرایا بلکہ متاثر بھی کیا۔ حقیقت نہائی کے حسن کے ابدی ہونے کا نظریہ جسے ابن سینا اور اس کے بعد دوسرے صوفیوں نے تسلیم کیا تھا، اقبال اسے بھی بودھوں اور ہندوؤں کے اثرات سے منسوب کرتے ہیں۔

اقبال نے فلسفہ ویدانت کا گہرا مطالعہ کیا تھا جس نے ان کے فلسفۂ خودی، التزام جہد وعمل سے متعلق نظریات کے ارتقاء پر دوررس اثرات چھوڑے ہیں۔ جن کا تفصیلی جائزہ نقاد اور ریسرچ سکالرز کی کاوشوں کا موضوع رہا ہے۔

یہ مضمون نامکمل رہے گا اگر گایتری اور وشوامتر نظموں کا ذکر نہ کیا جائے۔ گایتری نظم جب پہلی بار ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی تو اس کے ساتھ اقبال نے یہ نوٹ بھی لکھا تھا کہ سنسکرت کے لفظ "سویتور" کے لیے اردو میں موزوں لفظ موجود نہیں ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ آسمانوں سے پرے چمکنے والا وہ سورج ہے جو کہ ہمارے اس ارضی سورج کے لیے روشنی کا سرچشمہ یا منبع ہے۔ قدیم قوموں اور صوفیائے اسلام نے بھی خدا کے وجود کو "نور" کہا ہے۔ گایتری کا لفظی ترجمہ ہے: "اے نورِ ازلی! اے رخشندہ آفتاب! آ، ہم تیری عبادت کریں۔ آ، ہم کو اپنے نور سے خرد کی روشنی عطا کر!" ــــــ اور قرآن میں کہا گیا ہے: "اَللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"۔

وشوامتر نظم "جاویدنامہ" میں طبع ہوئی۔ وشوامتر کو اقبال نے عارف ہندی یا جہان دوست کہا ہے۔ اور وشوامتر کے نو (۹) فلسفیانہ نکات کا ترجمہ نظم میں قلم بند کیا ہے۔ جیساکہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ ہندو فلسفہ یعنی ویدانت کے لحاظ سے انسانی روح (اسے